ہجری تاریخ کا آغاز

حجۃ الاسلام جعفر مرتضیٰ عاملی مدظلہ

مورخین کے مطابق سن ہجری کی بنیاد خلیفۂ دوم عمر بن خطاب نے رکھی تھی اور اکثر تاریخ نویسوں کا عقیدہ ہے کہ تاریخ کے لئے ہجری کا یہ انتخاب علیؑ کے اشارہ پر ہوا تھا۔

(احقاق الحق جلد ۸، ص ۲۲۰)

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ: فقط علیؑ نے یہ پیش کش نہیں کی بلکہ اصحاب کی ایک جماعت ان کے ساتھ اس کام میں شریک تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۴)

اس سلسلہ میں ایک تیسری روایت ہے کہ اصحاب کی ایک جماعت نے یہ پیش کش تو کی لیکن یہاں پیش کش کرنے والے کے نام کا ذکر نہیں ہے۔

(کامل ابن اثیر جلد ا ص ۱۰)

چوتھے گروہ نے پیش کش کئے جانے کے ذکر سے گریز کیا ہے اور صرف اس ذکر پر اکتفا کیا ہے کہ سب سے پہلے تاریخ ہجری کے وضع کرنے والے عمر تھے۔

(طبری جلد ۳ ص ۲۷۷)

مورخین کا بیان

یہ واقعہ کیسے پیش آیا مورخین اس کو مندرجہ ذیل انداز میں نقل کرتے ہیں:۔

ا۔ ابن کثیر لکھتا ہے کہ واقدی نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ اس سال ربیع الاول میں (مراد ۱۶ ہجری ہے) عمر بن خطاب نے پہلی بار مبداء تاریخ کا تعین کیا ـــــ اس بات کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ـــــ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمر کے پاس ایک سند لائی گئی جس میں قرض ادا کرنے کی تاریخ ماہ شعبان درج تھی، عمر نے پوچھا کہ کونسا شعبان، یہ شعبان یا آئندہ یا گذشتہ؟

اس کے بعد انھوں نے لوگوں (اصحاب پیغمبرؐ) کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اس سلسلہ میں کچھ وضع کیجئے تاکہ اس کے ذریعہ لوگ اپنے قرض کی ادائیگی کے وقت سے واقف ہوجائیں ـــــ اس کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ بعض افراد (ھرمزان ایرانی) نے کہا کہ اہل فارس کے انداز پر تاریخ معین کی جائے جس طرح اہل فارس اپنے بادشاہ کے آغاز سلطنت کو مبدأ تاریخ قرار دیتے تھے جب ان کا کوئی بادشاہ مر جاتا تھا تو اس کے بعد دوسرے آنے والے بادشاہ کے آغاز سلطنت کو تاریخ کا مبدأ قرار دیتے تھے۔

لیکن یہ پیش کش قبول نہیں کی گئی۔

(تاریخ ابن الوردی جلد ا ص ۱۴۵)

ان میں سے بعض لوگوں نے (وہ یہودی جو مسلمان ہوگئے تھے) کہا کہ اسکندر کے زمانہ سے تاریخ روم کو تاریخ کی شروعات قرار دی جائے۔ یہ پیش کش بھی طولانی ہونے کے باعث قبول نہیں کی گئی۔

(الاعلان بالتوبیخ ص ۸۱)

ایک تیسرے گروہ نے کہا کہ بعثت پیغمبرؐ کے سال کو تاریخ کا مبداء قرار دیا جائے۔

چوتھی جماعت نے کہا کہ پیغمبرؐ کی ولادت کے سال سے تاریخ شروع کی جائے۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام آخری شخص تھے جنہوں نے مشورہ دیا کہ مکہ سے مدینہ ہجرت والے سال کو مبدأ تاریخ قرار دیا جائے اس لئے کہ یہ واقعہ تمام لوگوں کو معلوم ہے۔ درحقیقت ہجرت پیغمبرؐ کی تاریخ ولادت اور بعثت کی تاریخوں سے زیادہ واضح تھی۔

جناب عمر اور اصحاب نے اس مشورہ کو قبول کیا اور عمر نے حکم دیا کہ سال ہجرت، مبدأ تاریخ قرار پائے۔

(تاریخ عمر ابن خطاب بقلم ابن جوزی ص ۷۵، ۷۶)

۲۔ حاکم نیشاپوری اس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کو اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔ اسی طرح ذہبی، سعید ابن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ عمر نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے سوال کیا کہ کس دن سے تاریخ لکھی جائے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جس دن سے رسولؐ خدا نے ہجرت کی اور سرزمین شرک کو ترک فرمایا عمر نے بھی یہ کام کیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کو نقل کیا ہے۔

۳۔ یعقوبی ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ: اس سال خطوط پر تاریخ ڈالی گئی اور یہ ارادہ کیا گیا کہ بعثت مبدأ تاریخ ہو۔ ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ پیغمبرؐ کی ولادت کا سال مبدأ تاریخ ہونا چاہیئے۔ لیکن علیؑ نے یہ پیش کش رکھی کہ تاریخ، ہجرت رسولؐ خدا سے لکھی جائے۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۵)

یہ تمام نظریات اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ عمر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی تاریخ وضع کی۔

بہترین نظریہ

ہم کو اپنی جگہ اس نظریہ کی اصالت پر شک ہے اور ہمارا نظریہ یہ ہے کہ تاریخ، پیغمبرؐ کے زمانے میں وضع ہوگئی تھی اور پیغمبرؐ نے ایک بار سے زیادہ مختلف مناسبتوں سے سال ہجرت کو بنیاد بنا کر تاریخ معین کی ہے اور جو عمر کے زمانہ میں ہوا وہ فقط سال کی ابتدا کو ربیع الاول سے محرم میں تبدیل کر دیا گیا۔ دوسرے سال کو سال ہجری کا مبدأ قرار دیا گیا اور ماقبل کو حذف کر دیا گیا۔ یہ وہ بات ہے جس کو بیہقی نے نقل کیا ہے اور سفیان نسوی کا بھی یہی خیال ہے۔

(کامل ابن اثیر جلد ۱ ص ۱۰)

محرم کی تجویز کس نے پیش کی؟

سال کے آغاز کو ماہ ربیع الاول سے بدل کر محرم کر دینے کی پیش کش کس نے کی اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عثمان بن عفان تھے (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۹) اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خود عمر تھے (الوزراء والکتاب ص ۲۰)

ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے ماہ رجب کی پیش کش رکھی علیؑ نے ان کے مقابل میں ماہ محرم کی تجویز پیش کی اور یہ تجویز قبول کرلی گئی۔

(احقاق الحق جلد ۸ ص ۲۲۰)

دیار بکری کا کہنا ہے کہ عمر نے خود یہ کام کیا اور بعد

میں علیؑ وعثمان نے یہ پیش کش رکھی۔

(تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۲۸)

سخاوی اور دوسرے افراد کہتے ہیں کہ...... ان تمام روایات اور اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ تجویز رکھنے والے عمرو عثمان و علیؑ تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

عسکری کی اوائل جلد ۱ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ حرمت والے مہینے ایک کے بعد ایک پے درپے آتے ہیں اس لئے عمر نے ماہ محرم کو سال کی ابتداء قرار دیا لیکن ہم اس کو بعید سمجھتے ہیں کہ علیؑ نے اس کام میں کوئی حصہ لیا ہو بلکہ اس کے برعکس ہمارا عقیدہ ہے کہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا اور پوری زندگی وہ ماہ ربیع الاول پر مصر رہے۔ یہ خیال اصحاب اور مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا بھی تھا۔ بعد کی سطروں میں ہم اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔

۱۔ جیسا کہ گذر چکا ہے کہ علیؑ نے تجویز پیش کی کہ مبداء تاریخ رسول اکرمؐ کی ہجرت کے دن یا اس دن کو قرار دیا جائے جس دن پیغمبرؐ نے سرزمین شرک کو ترک فرمایا۔ جیسا کہ ابن مسیب کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ جو عہد نامہ اہل نجران کا امیر المومنینؑ نے لکھا ہے اس میں مرقوم ہے کہ ''کَتَبَ عَبْدُاللّٰہِ ابْنِ رَافِعِ لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْ جُمَادیٰ الْاٰخَرَۃُ سَنَۃَ سَبْعٍ وَثَلاثِیْنَ مُنْذُوَلَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ الْمَدِیْنَۃَ'' عبداللہ بن رافع نے ۱۰/ جمادی الآخر ۳۷ھ کو لکھا۔ یہ اس دن سے ہے جس دن سے پیغمبرؐ مدینہ میں وارد ہوئے۔ (الخراج بقلم ابو یوسف ص ۸۱)

۳۔ سھیلی وغیرہ نے حکایت کی ہے کہ ــــ مالک ابن انس کہتے ہیں کہ اول سال اسلامی ربیع الاول ہے اس لئے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس مہینہ میں رسول خدا نے ہجرت کی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۰۷، جلد ۶ ص ۹۴)

۴۔ سخاوی نے اصمعی اور زھری سے نقل کیا ہے کہ: ان لوگوں نے ربیع الاول سے جو ہجرت کا مہینہ ہے، تاریخ شروع کی۔ (الاعلان بالتوبیخ لمن یذم التاریخ ص ۷۸)

۵۔ صحابہ (مورخین نے بھی ان کی پیروی کی ہے) مہینوں کو ہجرت کے وقت یعنی ماہ ربیع الاول سے لے کر ہجرت کے پانچویں سال کے وسط تک شمار کرتے تھے...... اس تفصیل کے ساتھ جو آگے آئے گی۔

گذشتہ باتوں سے پتہ چلا کہ علیؑ نے سال کے پہلے مہینے کو ربیع الاول سے بدل کر محرم کر دینے کی تجویز نہیں پیش کی تھی۔ بلکہ علیؑ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ماہ ربیع الاول کو سال کا پہلا مہینہ قرار دینے کے لئے اصرار کیا تھا۔ ربیع الاول وہی مہینہ ہے جس میں رسول خدا مکہ سے نکلے تھے یا اس مہینہ کے شروع میں وارد مدینہ ہوئے تھے۔

امیر المومنینؑ کی طرح بہت سے لوگ تھے جو اس تبدیلی پر راضی نہیں تھے لیکن ان کی رائے قبول نہیں کی گئی۔

یہاں یہ نکتہ یاد دلا دینا ضروری ہے کہ پیغمبرؐ کے مدینہ وارد ہونے کے دن کو مبداء تاریخ ہجری کے عنوان سے قرار دیے جانے کے بارے میں علیؑ کی تجویز اس بات کی مؤید ہے کہ پیغمبرؐ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو سرزمین مدینہ پر وارد ہوئے۔ اس سلسلہ میں دوسرے مطالب بھی آئیں گے اگر چہ وہ ہمارے اصلی مقصد اور نظریے سے متعلق نہیں ہیں لیکن جس

چیز کو ہم اہمیت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ کس شخص نے ہجرت کو مبداء تاریخ قرار دیا؟ اگر چہ ہم معتقد ہیں کہ خود پیغمبرؐ نے اس کا م کو انجام دیا اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

اس رائے سے موافقت کرنے والے

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عمر نے یہ کام کیا بعض افراد کو اس نظریہ پر شک ہے اور وہ اس کی تردید کرتے ہیں اور بعض افراد اس کے موافق ہیں اور اسی مشہور نظریہ کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

اس میلان کی وجہ مدارک سے ان کی عدم واقفیت ہے اگر حقیقت ان پر آشکار ہوتی تو مشہور نظریہ سے مقابلہ کرتے۔

بہر حال جو ہمارے نظریہ کے موافق ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

سید علی عباس کلی نزھۃ المجالس میں اس تفصیل کے ساتھ جو آئندہ آئے گی اور سیوطی اسے ابن صلاح سے اور وہ ابی جمشش زیادی سے اس تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ تاریخ کی کتابت ہجرت کے وقت سے کی جائے۔

زرقانی فرماتے ہیں کہ حاکم نے اسے الاکلیل میں زہری سے مفصل روایت کی ہے۔ زرقانی کا کہنا ہے کہ مشہور اس روایت کے خلاف ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے۔

(التراتیب الاداریہ جلد ۱ ص ۱۸۱)

او ر اس بات کو اصمعی وغیرہ سے نقل کیا ہے ابن عساکر کہتے ہیں کہ یہ صحیح تر ہے۔ سیوطی نے آئندہ تفصیلات کے ساتھ اس کی تائید کی ہے۔ (الشماریخ فی علم التاریخ سیوطی ص ۱۰)

مغلطائی اپنی سیرت ص ۳۵، ۳۶ پر فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ہجرت کے وقت سے کتابت تاریخ کا حکم دیا ابن جزار کہتے ہیں کہ سال ہجرت، سال اذن کے نام سے مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عمر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تاریخ کا تعین کیا اور سال ہجرت کا پہلا مہینہ محرم قرار دیا اور ہجرت کے دس سال میں سے ہر سال ایک خاص نام کا حامل بنا۔ سال اول ہجرت کو سال اذن کا نام دیا گیا۔

(کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ملاحظہ ہو)

سہیلی کا بیان

سہیلی کا خیال ہے کہ تاریخ ہجری قرآن کے ذریعہ نازل ہوئی ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ نے سال ہجرت کو مبداء تاریخ کے عنوان سے نامزد کرنے کی موافقت کی۔ اگر یہ قرارداد قرآن پر مبنی ہوتی تو اس سے بہتر اور کیا استفادہ ہوسکتا تھا اور ہمارا گمان بھی یہی ہے کہ صحابہ نے قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اس کام کو انجام دیا اور اگر اجتہاد و رائے کی بنا پر بھی ہو تو اس سے بہتر اور کیا اجتہاد ہوسکتا ہے کہ قرآن نے جس کی پہلے سے تائید کردی ہے......

خداوند عالم کے اس قول سے جو وہ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوىٰ مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ: (سورۂ توبہ آیت ۱۰۸)

ترجمہ:۔ جس مسجد کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں اقامۂ نماز کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اس سے مراد ہر ہفتہ یا مہینہ یا سال کا پہلا دن مراد نہیں ہے جیسا کہ یہ بھی ظاہر نہیں ہے کہ کلمۂ یوم جس کی

طرف مضاف ہے وہ کون سا کلمہ ہے یہاں مضاف الیہ پوشیدہ ہے لہٰذا اگر کوئی بات کرنے والا یوں گفتگو کرے کہ ''اس نے پہلے روز کام کو انجام دیا'' تو یہ عاقلانہ بات نہیں ہے مگر یہ کہ ماہ و سال یا تاریخ اس کی معلوم ہو۔

کوئی قرینہ نہ تو حالیہ ہے اور نہ کوئی بات ایسی ہے جو اس لفظ مقدر (مضاف الیہ) پر دلالت کرے بس صرف وہی اول تاریخ ہے جس دن پیغمبرؐ مدینہ میں داخل ہوئے۔

اور وہ جو نحویین کہتے ہیں کہ ''مقدر'' من تاسیس اول یوم ہے اس لئے کہ کلمۂ 'من زمانہ پر جو' اول' ہو وارد نہیں ہوتا—— تو یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ نحویین کے قول کی بنا پر مجبوراً کہا جائے کہ ''من وقت تاسیس'' اور وقت کو مقدر مانا جائے۔ اس بنا پر فقط کلمۂ تاسیس کا مقدر ماننا فائدہ مند نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ کلمۂ ''من'' زمانہ پر وارد ہوتا ہے خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ''

سھیلی کی بات یہاں پر تمام ہوئی (وفاء الوفاء جلد ا ص ۲۴۸)

کتانی نے بھی ایک بات کہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حافظ نے فتح الباری میں سھیلی کی گفتگو نقل کرنے کے بعد اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ—— سھیلی یہ کہتے ہیں۔ اور جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے معنی اول یوم یہ ہے کہ ''اس دن جس دن پیغمبرؐ اور ان کے اصحاب مدینہ میں داخل ہوئے۔'' (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۹)

لیکن ابن منیر کا خیال ہے کہ سھیلی نے آیت سے استفادہ کرنے میں اپنے کو زحمت میں ڈالا ہے اور آیت کے معنی بیان کرنے میں اس روش سے جو علماء گذشتہ کی روش تھی عدول کیا ہے (علماء گذشتہ کہتے تھے کہ ''من تاسیس اول یوم'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دن سے جس دن تاسیس ہوتی ہے) درآں حالیکہ اس طرح کا معنی بیان کرنا عربی ادب کے قواعد و اسلوب کے مطابق ہے۔

کتانی کا کہنا ہے کہ ''جو بات سھیلی نے کہی ہے وہ بہت گہری نہیں ہے اور نہ ہی کسی مضبوط و محکم مدرک کی حامل ہے لیکن اگر صبر و ہمت سے غور و فکر کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس کی بات درست ہے۔ اسی وجہ سے شہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب عنایۃ القاضی اور کفایۃ القاضی میں مؤلف مذکور کی بات کو آخر تک بیان کیا ہے اور اس طرح کے تمام اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔'' (التراتیب الاداریۃ جلد ا ص ۱۸۱، ۱۸۲)

یاقوت حموی کا کہنا ہے کہ اللہ کے قول ''من اول یوم'' سے مسجد قبا کا استفادہ کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ اس مسجد کا سنگ بنیاد اس دن رکھا گیا جس دن پہلی بار پیغمبرؐ سرزمین مدینہ پر وارد ہوئے 'وہی دن' تاریخ ہجری کی ابتداء کا دن ہے خدا جانتا تھا کہ جلد ہی وہ دن، تاریخ اسلامی کی شروعات کا دن قرار پائے گا اس لئے اس دن کا نام —— روز اول—رکھا بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ مضاف حذف ہوگیا ہے اور کلمۂ ''تاسیس'' ہے۔ آیت کی یہ روش دوسری روش سے بہتر ہے۔ (معجم البلدان جلد ۵ ص ۱۲۴)

جو کچھ سھیلی سے منقول ہے بعینہ یہی ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے۔

(تنویر المقیاس حاشیۂ سرمنثور جلد ۲ ص ۲۶۴)

اگر ان لوگوں کی بات درست ہو تو مناسب یہی

معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے ہر شخص سے پہلے خود ہی اس آیت کے مقتضاء پر عمل کیا ہو۔ یہ وہی بات ہے جو موجودہ حالت میں حاصل ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔

جو کچھ سھیلی اور ان جیسے افراد نے کہا ہے اگرچہ ابتدائی دور کی بات نظر آتی ہے (لیکن) ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ بات کم سے کم ان محتملات میں سے ہے جو آیت شریفہ کے معنی میں ہیں اگرچہ یقینی نہیں ہے۔ ہم نے اس کو اور تائید مطلب کے لئے ذکر کیا ہے، استدلال اور دلیل قائم کرنے کے لئے نہیں۔

ہماری دلیلیں

ہماری نظر میں پیغمبرؐ اکرم وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہجرت کو تاریخ کا مبنیٰ قرار دیا ہے اور اسی دن سے تاریخ شروع کی ہے۔ ہماری دلیلیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جو کچھ زہری سے نقل ہوا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ پیغمبرؐ جب مدینہ میں قدم رنجہ ہوئے تو انہوں نے اسی دن سے تاریخ لکھنے کا حکم صادر فرمایا اور یہ کام ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۸)

دوسری روایت میں زہری سے منقول ہے کہ ''جس دن رسول خدا ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اس دن سے تاریخ لکھی گئی۔'' (الشماریخ فی علم التاریخ ص ۱۰)

قلقشندی کا کہنا ہے کہ اس بنا پر ابتداء تاریخ اسلامی، سال ہجرت ہے۔ (صبح الاعشیٰ جلد ۶ ص ۲۴۰)

سابق میں، میں نے بعض مورخین کے اقوال نقل کئے ہیں اور آئندہ اس سلسلہ میں دلیلیں پیش کروں گا۔

عسقلانی وغیرہ نے اس حدیث کو فتح الباری وغیرہ میں غامض، پیچیدہ اور خلاف نظریۂ مشہور سمجھا ہے۔ جھشیاری نے کہا ہے کہ یہ شاذ ہے (الوزراء والکتاب ص ۲۵)

دیار بکری نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۳۸)

مسعودی نے جو بہت مشہور مورخ ہیں اس حدیث پر چار اعتراض کئے ہیں:

۱۔ یہ خبر واحد ہے اور نظر سے دور افتادہ ہے۔

۲۔ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کو اس شخص نے نقل کیا ہے جو مراسیل کو قبول نہیں کرتا۔

۳۔ اس حدیث کے ناقل نے اس حدیث کو نقل کرنے سے پہلے کہا ہے کہ عمر تاریخ اسلامی کے موجد ہیں جنہوں نے علیؑ کی پیش کش پر اس کام کو انجام دیا جس پر سب نے اتفاق کیا ہے۔

۴۔ اس حدیث میں اس زمانہ کا پتہ نہیں چلتا جس وقت پیغمبرؐ نے تاریخ کی کتابت کا حکم فرمایا اور تاریخ اسلامی کی کتابت کی سرگذشت کا ذکر نہیں ہے۔ (التنبیہ الاشراف ص ۲۵۲)

مسعودی کے اعتراضات زہری کی حدیث پر وارد نہیں ہوتے اس لئے کہ حدیث کا مرسل یا خبر واحد ہونا اس کو الگ ہٹا دینے کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے تمسک کرنا چاہئے یہاں تک کہ اس شخص سے جو مراسیل کو قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ دوسری روایتیں اس موضوع پر موجود ہیں جو آئندہ آئیں گی۔

۲۔ حاکم نیشاپوری نے عبداللہ بن عباس سے جو نقل

کیا ہے اور وہ اس کو صحیح جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس سال پیغمبرؐ مدینہ میں تشریف لائے اسی سال تاریخ لکھی گئی یہ وہ سال ہے جس سال عبداللہ بن مسعود پیدا ہوئے۔

(مستدرک الحاکم جلد ۳ ص ۱۳، ۱۴)

۳۔ سخاوی کہتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کس نے تاریخ کی شروعات کی ابن عساکر تاریخ دمشق میں انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تاریخ اس دن سے شروع ہوئی جس دن حضور نے مدینہ میں قدم رکھا اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ ماہ ربیع الاول جو ہجرت کا مہینہ ہے اس سے تاریخ شروع ہوئی اس کے بعد زہری کی روایت نقل کرتے ہیں (الاعلان بالتوبیخ ص ۷۸)

اس کے بعد سب پر اعتراض کر کے لکھتے ہیں کہ یہ سب خبر صحیح اور مشہور کے مخالف ہے جس نے تاریخ کے لکھنے کا حکم دیا وہ عمر تھے اور اوّلِ سال ماہ محرم ہے نہ کہ ربیع الاول۔

مذکورہ شخص کا اعتراض مسعودی کے اعتراض کی طرح نادرست ہے جیسا کہ ابھی ہم دیکھیں گے...... اس لئے کہ کسی روایت کا صرف مخالف قول مشہور ہونا اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس صورت میں جب دلیل قطعی موجود ہو تو خبر مشہور سے عدول کرنا چاہیئے۔

آئندہ ہم دوسری ایسی دلیلیں پیش کریں گے جس سے کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے۔

۴۔ اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ رسول خدا نے ماہ ربیع الاول میں مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی زہری اور ان جیسے دوسرے افراد کہتے ہیں کہ ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو آپ مدینہ پہنچے لیکن ابن اسحاق اور کلبی اس قول پر متفق ہیں کہ ربیع الاول کی ابتداء میں آپ نے مکہ سے ہجرت کی۔ ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ اسی مہینہ (ربیع الاول) کے شروع میں آپ غار سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

(الروض الانف جلد ۲ ص ۲۴۵)

اگر ہم اس بات کی تائید کے لئے کہ حضرت ماہ ربیع الاول کی ابتداء میں وارد مدینہ ہوئے حضرت علیؑ کی تحریر سے استفادہ کریں یعنی اس وقت سے جب پیغمبرؐ وارد مدینہ ہوئے اور ایک دوسرا قول بھی ہے آپ نے فرمایا کہ ''تاریخ اس وقت سے شروع کرو جب سے پیغمبرؐ نے سرزمین شرک کو ترک کر دیا۔'' ان جھمیلوں سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ ہم کہیں کہ وہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ ہم اس سال کو بعنوان مبداء تاریخ منتخب کریں جس میں مذکورہ بالا اقوال سے کسی طرح کا کوئی تضاد نہ ہو۔ اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہ ربیع الاول میں ہوا تھا...... اگر ہم ان باتوں کو پیش نظر رکھیں جو ہم نے اصمعی، مالک اور زہری سے نقل کی ہیں اور اس مفہوم کو مورد استفادہ قرار دیں جو امیر المومنین سے ماہ ربیع الاول کے بارے میں کتابوں میں موجود ہے تو پھر ہم مطمئن ہو جائیں گے کہ تاریخ ہجری عمر کے زمانہ سے پہلے وضع ہوئی ہے۔ عمر نے جو کام کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اولِ سال، ماہ محرم کو قرار دیا۔

اس موضوع کی تائید کے لئے مندرجہ ذیل قضیہ کو یاد کیا جا سکتا ہے اصحاب ماہ ربیع الاول سے ــــ جس میں پیغمبرؐ نے ہجرت کی ــــ مہینوں کی مدت شمار کیا کرتے تھے اور یہ روش ہجرت کے پانچویں سال کے وسط تک جاری رہی۔

۞ ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان کے واجب روزے کا حکم تحویل قبلہ (بیت المقدس سے کعبہ کی جانب) جو ماہ شعبان میں ہوا تھا کے ایک مہینہ کے بعد اللہ کی جانب سے آیا۔ یہ ہجرت کے ٹھیک ۱۸ مہینہ گذرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ (تاریخ الخمیس جلد ا ص ۳۶۸)

۞ عبداللہ بن انیس، سفیان بن خالد کی سرکردگی میں ہونے والے سریہ کے بارے میں مدینہ سے نکلنے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ محرم کی پانچویں تاریخ کو ہجرت سے ٹھیک ۵۴ ماہ بعد مدینہ سے نکلے۔''

۞ محمد بن سلمہ غزوۂ قرطاء کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''ہم لوگ دسویں محرم کی رات کو نکلے اور ۱۹ راتیں ہم لوگوں نے وہاں گذاریں اور محرم کی ایک رات باقی تھی تو واپس لوٹے۔ ٹھیک ہجرت کے ۵۵ مہینہ بعد (مغازی الواقدی جلد ۲ ص ۵۳۱، ۳۵۴)''

ہجرت کے پانچویں سال کے وسط سے مہینوں کے ذریعہ اسلامی تاریخ ہجری کا شمار شروع ہوتا ہے جو سلمہ بن الاکوع اور خالد بن ولید اور دوسرے تمام افراد کی گفتگو میں واضح طور پر نظر آتا ہے (صفوۃ الصفوۃ جلد ا ص ۶۵۲)

یہ صحابہ کی روش تھی جس پر بعد میں مورخین بھی چلے ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم)

اس روش سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ ہجرت کے پہلے سال ہی وضع ہو گئی تھی۔ ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں کہ ایک شخص سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا جائے جو پانچویں سال اس کو پیش آیا تھا تو وہ اس کو بتانے سے گریز کرے اور پھر گننا شروع کرے اور ریاضی کے عمل کی الجھنوں میں پڑے جو محتاج غور وفکر ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد جواب دے وہ بھی مہینوں کو گن گن کر۔۔۔ لیکن یہ اس صورت میں تو ٹھیک ہے جب ایسی چیزوں میں اس کو ملکہ پیدا ہو گیا ہو اور ملکہ ایک دن میں پیدا نہیں ہوتا۔ صحابہ کے اس کام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماہ ربیع الاول کو بعنوان آغاز ہجرت سمجھتے تھے لیکن بعد میں ان کے اختیار سے خارج ہو گیا۔

۵۔ وہ نص جو حضرت رسولؐ خدا نے جناب سلمان فارسی کے عہد نامہ کے لئے لکھا ہے اس میں تحریر کا زمانہ ۹ ہجری درج ہے۔

ابونعیم حسن بن ابراہیم بن اسحٰق برجی مستملی نقل کرتے ہیں اور وہ بھی محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ ابوعلی حسین بن محمد بن عمرو وثابی سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ سند شیراز میں عنسان بن زادان بن شاذویہ بن ماہ بنداز برادر سلمان سے نقل کیا ہے۔

اور یہ عہد نامہ حضرت علیؑ کی تحریر میں حضرت خاتم النبیینؐ کی مہر کے ساتھ اصلی نسخہ کی رو سے تحریر تھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ سَأَلَ سَلْمَانُ وَصِيَّةً بِأَخِيْهِ ماه بنداز وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ عَقَبِهٖ...ثُمَّ سَاقَ اَبُوْ نَعِيْمٍ اَلْكِتَابَ اِلٰى اَنْ قَالَ فِيْ آخِرِهٖ وَ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْطَالِبٍ بِاَمْرِ رَسُوْلِ اللهِ فِيْ رَجَبٍ سَنَةَ تِسْعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَحَضَرَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَ طَلْحَةُ وَ زُبَيْرُ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ سَعْدُ وَ سَعِيْدُ وَسَلْمَانُ وَ

اَبُوْ ذَرٍّ وَ عَمَّارٌ وَ عُيَيْنَةُ وَ صُهَيْبٌ وَ بِلَالٌ وَ الْمِقْدَادُ وَ جَمَاعَةٌ آخَرُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ . . .

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے یہ خط محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے سلمان کی طرف......اس کے بعد ابونعیم اس خط کو آگے بڑھاتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس کو علی بن ابیطالبؑ نے رجب ۹ھ ہجری میں تحریر فرمایا ہے۔ جب ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن، سعد، سلمان، ابوذر، عینیہ، صھیب، بلال، مقداد اور مومنین میں سے دوسرے افراد موجود تھے۔

اس سند کو ابومحمد بن حیان نے ان افراد سے جو اس مسئلہ میں بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں اس خط کی خصوصیات کے ذکر کے ساتھ اور سلمان کے خاندان کے ان افراد کے تذکرہ کے ساتھ جنہوں نے ان سے بیان کیا نقل فرمایا ہے۔ سلمان فارسی کے خاندان کے افراد جن میں سب سے بزرگ عنسان بن زادان تھے یہ لوگ شیراز میں زندگی بسر کرتے تھے ان کے پاس رسولؐ خدا کا ایک خط حضرت علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھے۔ دباغت کئے ہوئے سفید چمڑے کے خط کے آخر میں حضرت رسول خدا کی مہر تھی اور ابوبکر و علیؑ کا ذکر تھا۔ اس عہد نامہ کو جو انہوں نے نقل فرمایا ہے اس میں سند کا ایک ایک حرف موجود ہے بس اس میں یہ لکھا ہے کہ عینیہ کا نام نہیں لکھا ہے۔ (اخبار اصفہان ابی نعیم جلد ۱ ص ۵۲، ۵۳)

۶۔ مشہور مورخ بلاذری نے پیغمبرؐ کے اس خط کو بعینہ نقل کیا ہے جو حضرتؐ نے سرزمین مقنا و بنی حبیبہ کے یہودیوں کے لئے لکھا ہے۔ اس خط میں یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کا ذکر اس طرح ہے کہ: شکاری پرندوں سے حاصل شدہ آمدنی کا ۱/۴ اور بنکاری کے آلات سے حاصل شدہ آمدنی کا ۱/۴، پھلوں اور زرہوں کی آمدنی کا ۱/۴، ہتھیاروں اور گھوڑوں کی آمدنی کا ۱/۴ یہودی آنحضرتؐ کو جو سرپرست مسلمین ہیں دیا کریں۔

بلاذری کہتے ہیں کہ اہل مصر میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے ایک لال رنگ کی جلد میں جس کے خطوط مٹ گئے تھے اس خط کو دیکھا اور اسی سے اس نے یہ نسخہ لیا اس کے بعد اس شخص نے ہم کو املاء کرایا اور ہم نے لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى بَنِيْ حَبِيْبَةَ وَ اَهْلِ مُقْنَا، سِلْمٌ اَنْتُمْ وَ لَكُمْ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِ . . . ثُمَّ سَاقَ الْبَلَاذِرِيُ الْكِتَابَ اِلٰى اَنْ قَالَ فِيْ آخِرِهٖ : وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ اَمِيْرٌ اِلَّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ مِنْ اَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْطَالِبٍ فِيْ سَنَةِ تِسْعٍ۔

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے، یہ خط محمد رسولؐ خدا کی طرف سے بنی حبیبہ اور اہل مقنا کی طرف ہے۔ تم لوگوں کو امان ہے خدا کی طرف سے اور ہماری طرف، مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم لوگ اپنے قریہ کی طرف واپس لوٹ رہے ہو، جس وقت ہمارا خط تم کو ملے تو امن و امان میں ہو اور خدا اور اس کے رسولؐ کا عہد تم پر ہے۔

اس کے بعد بلاذری خط کے آخری حصہ تک نقل کرتا

ہے خط کے آخری حصہ میں یہ عبارت آئی ہے کہ ''تمہارے اوپر خود تمہارے علاوہ یا خاندان رسولؐ خدا کے علاوہ کوئی امیر نہیں ہے علی بن ابیطالب نے اس کو ۹ھ ہجری میں لکھا ہے۔'' (فتوح البلدان بلاذری ص ۶۷)

محمد بن احمد عسا کر نے اس خط پر جو بلاذری نے فتوح البلدان میں نقل کیا ہے، دو اعتراضات کئے ہیں:

۱۔ علیؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم نحو کو لباس وجود پہنایا ہے تاکہ وہ نبطی کلام سے مخلوط نہ ہو جائے لہٰذا ان سے ممکن نہیں کہ وہ ایسی غلط انداز (نحوی غلطی) کی عبارت لکھیں اور ''علی بن ابوطالب'' میں ابو کو مرفوع لکھیں۔

۲۔ پیغمبرؐ نے اہل مقنا سے غزوۂ تبوک میں صلح کی ہے — جیسا کہ فتوح البلدان میں مذکور ہے اور علی بن ابی طالب اس جنگ میں شریک نہیں تھے تو یہ کہنا کہ اس خط کو علیؑ نے لکھا ہے خلاف عقل نہیں ہے؟ (فتوح البلدان حاشیہ ص ۶۷)

علامہ محقق علی احمدی نے ابن عسا کر کا جو جواب دیا ہے، ہم یہاں اسی اکتفا کرتے ہیں اور اس کے جواب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

۱۔ پہلے اعتراض کا جواب

ملا علی قاری ''شفاء قاضی عیاض'' کی شرح میں نوادر ابی زید اصمعی سے نقل کرتے ہیں اور وہ یحیٰ بن عمر سے نقل کرتے ہیں اگر لفظ ''اب'' کسی کی کنیت ہو تو قریش اس کو بدلتے نہیں، بلکہ ہمیشہ مرفوع ہی پڑھتے ہیں نصب و جر و رفع تینوں حالت میں......

نہایہ ابن اثیر اور شرح قاری میں کلمۂ (ابی) کے بارے میں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے مہاجر بن ابی امیہ کو لکھا کہ ''اَلْمُھَاجِرُ ابْنُ اَبِیْ اُمَیَّۃِ'' اور اس کے بعد اضافہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ابوامیہ اپنی کنیت سے مشہور تھا اس کے علاوہ اس کا کوئی اور نام نہیں تھا۔ رسول اکرمؐ نے اسی نام کو استعمال کیا ہے۔ ملا علی قاری، ابن عسا کر کے اشکال کو رفع کرنے کے لئے اس بات کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اسی طرح علی ابن ابوطالب کہا جاتا ہے۔''

مجموعۂ وثائق السیاسہ میں صفدری سے منقول ہے کہ ''بعض افراد'' علی ابن ابو طالب لکھتے تھے اور ''علی ابن ابی طالب'' پڑھتے تھے۔ اس نکتہ کے بعد مجموعۂ وثائق السیاسیہ نے ''التراتیب الاداریہ'' سے وہ بات نقل کی ہے جو نوادر اصمعی سے نقل ہوئی ہے اور اسکی اہم ترین بات جس کا انہوں نے اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ — ''قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب محرم ۱۳۵۸ ہجری قمری میں میں مدینۂ منورہ گیا ہوا تھا اس وقت میں نے ایک نوشتہ دیکھا جس میں لکھا ہوا تھا ''اَنَا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ'' اور احتمال اس بات کا ہے کہ یہ علی بن ابی طالب کی لکھی ہوئی تحریر ہے۔''

مؤلف کتاب مجموعہ الوثائق السیاسہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے کلمۂ علی بن ابوطالب واوٴ کے ساتھ چار قراءت شدہ خطوں میں شیوخ سے دیکھا ہے۔

اس جگہ پر ہم مزید بیان کرتے ہیں کہ ''مغلطائی اپنی سیرت کے ص ۱۰ پر فرماتے ہیں کہ ان کا نام ان کی کنیت تھی حاکم کے قول کے مطابق جو انہوں نے نقل کیا ہے اس بات میں تامل ہے۔

مروج الذہب جلد دوم ص ۱۰۹ مطبوعہ بیروت میں لکھا ہے کہ ''ابیطالب کے اسم (نام) ہونے میں نزاع ہے۔ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے اور ان کے لئے ''اسم علم'' نہیں ہے۔علیؑ نے پیغمبرؐ کے املاء کرانے پر خیبر کے یہودیوں کے لئے ایک خط میں لکھا کہ اس کو لکھا ''علی بن ابیطالب'' نے اور الف کو کلمۂ (ابن) حذف کر دیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن، دو اسم علم کے بیچ میں واقع ہوا ہے نہ کہ ایک اسم علم اور ایک کنیت کے بیچ میں''

فتوح البلدان بلاذری کے ص ۷۲ پر لکھا ہے کہ یحییٰ ابن آدم نے کہا کہ: ایک خط میں نے اہل نجران کے ہاتھ میں دیکھا جس کا نسخہ اس نسخہ کے مشابہ تھا، خط کے آخر میں علی بن ابیطالب لکھا تھا مجھے نہیں معلوم کہ میں اس سلسلہ میں کیا فیصلہ کروں اس خط میں جس کو علیؑ نے قبیلۂ ربیعہ اور یمن کے لئے بعنوان صلح نامہ لکھا ہے اس کے آخر میں (اور وہی روایت معروف ہے) آپ نے لکھا کہ ـــ کَتَبَ عَلِیُ بْنُ اَبِیطَالِبٍ ـــ بنا بر نقل ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ جلد پنجم ص ۲۳۱

عمدۃ الطالب ص ۲۰، ۲۱ مطبوعہ نجف محمد بن ابراہیم نساب سے منقول ہے کہ ''انہوں نے علیؑ کے دستخط کو دیکھا ہے جس کے آخر میں لکھا تھا ـــ علی بن ابوطالب ـــ''

اسی طرح انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نجف میں ایک قرآن امیر المومنین علی علیہ السلام کی تحریر میں موجود تھا ۷۵۵ ہجری میں جب کتب خانہ جلا، اس زمانہ میں وہ بھی جل گیا اس قرآن کے آخر میں لکھا تھا ''علی بن ابوطالب''

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ خط کوفی میں واؤ، یا کی شبیہ ہے اور صحیح علی بن ابیطالب ہے (اس بات کو ان کے دادا نے ان سے نقل کیا ہے) اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہیں جن کے چھان بین کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔

جو کچھ کلمۂ ابو کے بارے میں بیان ہوا اس سے یہ پتہ چلا کہ کلمۂ ابو میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کوئی اشکال، خاص کر اس بات کے بعد تو اب عمدۃ الطالب کی تاویل کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی جو لغت قریش کے بارے میں کہی گئی ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب

ہم یہ کہتے ہیں کہ بلاذری کے کلام میں کوئی صراحت نہیں ہے اور اس کا کلام اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ خط تبوک میں لکھا گیا ہو جیسا کہ خود وہ خط بھی اس موضوع پر دلالت نہیں کرتا جو کچھ خط میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ اہل مقنا کی ایک جماعت پیغمبرؐ کے پاس مدینہ میں آئی تھی وہ لوگ واپس جانا چاہتے تھے شاید مدینہ تک ان کا سفر تجارت کی غرض سے تھا یا اس طرح کا کوئی خط لینے وہ پیغمبرؐ کے پاس آئے پیغمبرؐ نے بھی یہ خط ان کو لکھ دیا۔

بعض تاریخی کتابوں نے صرف اس بات پر اکتفا کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے ۹ھ ہجری میں یہ خط اہل مقنا کو لکھا ہے۔(مکاتیب رسولؐ جلد ا ص ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰)

جو کچھ ہم نے یہاں نقل کیا وہ وہی ہے جو علامہ احمدی نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے اس کے بعد نہ کوئی اشکال اور شبہ کی گنجائش ہے اور نہ روایت کی اصالت میں کوئی شک باقی بچتا ہے۔

۷۔ اہل دمشق کے ساتھ خالد بن ولید کا صلح نامہ تحریر کرنا۔ ابن سلام کہتے ہیں کہ محمد ابن کثیر نے ہمارے لئے اوزاعی سے اور انہوں نے سراقہ سے نقل کیا ہے کہ: خالد بن ولید نے اس صلح نامہ کو اہل دمشق کے لئے لکھا۔

''اِنِّیْ قَدْاَمَنْتُھُمْ عَلٰی دِمَائِھِمْ وَ اَمْوَالِھِمْ وَ کَنَائِسِھِمْ... ہم نے ان کو، ان کے اموال کو اور ان کی عبادت گاہوں کو امان دی......ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ ''صلح نامہ لکھنے والے نے جو اس میں لکھا وہ مجھے یاد نہیں اور اس صلح نامہ کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ ابوعبیدہؑ جراح جبیل بن حسنہ اور قضاعی بن عامر نے گواہی دی ہے یہ صلح نامہ ۱۳ ہجری میں لکھا گیا۔ (الاموال ص ۲۹۷) جس کو وہ لوگ تسلیم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تاریخ کو عمر نے وضع کیا ہے وہ بھی ۱۶ ھ یا ۱۷ ہجری میں اور ان لوگوں میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ اس سے پہلے تاریخ وضع ہوئی ہے اور یہ بھی لائق توجہ ہے کہ دمشق عمر کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں فتح ہوا ہے بلکہ شام میں مسلمان سپاہیوں تک ابوبکر کی وفات کی خبر اور عمر کی خلافت کی خبر پہنچنے سے پہلے دمشق فتح ہوا ہے۔ برخلاف اس کے جو ہم نے دیکھا: فتح دمشق کی تاریخ میں غزوات اور جنگ کی کتاب لکھنے والوں نے اختلاف کیا ہے کہ یہ ۱۳ ہجری کا واقعہ ہے یا ۱۴ ہجری کا اور اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ جس نے یہ مصالحت انجام دی وہ ابوعبیدہؑ جراح تھے یا خالد بن ولید۔ اسی طرح اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ شام میں ان دونوں افراد میں سے مسلمانوں کا سپہ سالار کون تھا۔ ہمارے لئے یہ بات مسلم ہے کہ فتح دمشق ابوبکر کی وفات کی خبر پہنچنے سے پہلے ۱۳ھ میں ہوئی ہے۔ یا کم از کم اس خبر کے اظہار سے پہلے ابو عبیدہ کے ذریعہ ہوئی ہے اور اس صلح نامہ کو لکھنے والے خالد بن ولید تھے جو اس موقع پر فوج کے سپہ سالار تھے۔

ابوعبیدہ، ابن قتیبہ واقدی اور بلاذری کا خیال ہے کہ صلح نامہ لکھنے والے خالد بن ولید ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بات اس پر دلالت کررہی ہو کہ صلح کے وقت لشکر کی سپہ سالاری خالد بن ولید کے ہاتھوں میں رہی ہو۔

واقدی کا کہنا ہے کہ: صلح کے سبب خالد اور ابوعبیدہ کے درمیان لفظی جھڑپ اور سخت کلامی ہوئی خالد کا اپنے موقف پر اصرار اور ان کے مقابل میں ابوعبیدہ کا ضعف،

اس سے خالد بن ولید کی سپہ سالاری کی تائید ہوتی ہے۔

بلاذری کہتے ہیں کہ ''ابوعبیدہ شہر دمشق کے مشرقی دروازہ کی طرف تھے اور زبردستی شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے لوگ خالد کے پاس آئے جو شہر کی دوسری طرف تھے خالد نے ان لوگوں کے ساتھ صلح کی اور ایک صلح نامہ مرتب کرلیا۔ ان لوگوں نے بھی شہر کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا۔

اس کے بعد ابومخنف کی بات نقل کی ہے جو بالکل مذکورہ بالا قضیہ کے برعکس ہے اور پھر فرماتے ہیں یہ پہلی بات صحیح ہے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۹)

ہمارا بھی یہی خیال ہے اکثر مورخین کا قول وہ خط جو ہم نے شروع میں نقل کیا ہے اور دوسرے ادلہ یہ سب اس بات پر دلیل قطعی ہیں کہ خالد نے صلح نامہ کو اہل دمشق کے لئے تیار کیا اور اس کا قہری نتیجہ ہے کہ وہ سپہ سالار لشکر بھی تھے لشکر کی سپہ سالاری سے خالد کی معزولی کا حکم اس وقت پہنچا جب ان

لوگوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تھا اور ابو عبیدہ نے اس بات کو اس لئے بیس دنوں تک چھپا رکھا تھا تا کہ خالد دمشق فتح کرنے میں سست نہ ہو جائیں۔ یہاں تک کہ جب دمشق فتح ہو گیا تو ابو عبیدہ نے ان کی معزولی کے فرمان کا اعلان کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳)

واقدی تحریر فرماتے ہیں کہ دمشق شب وفات ابوبکر میں فتح ہوا۔ (فتوح الشام جلد ا ص ۵۸، ۵۹)

زینی وحلان مورخین میں سے ایک مورخ سے نقل کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ خبر وفات ابوبکر دمشق فتح ہونے کے بعد ۱۳ھ میں اور وفات ابوبکر اس رات واقع ہوئی جس رات لشکر اسلام دمشق میں وارد ہوا اور یہ واقعہ ۲۲ جمادی الآخر کا ہے۔ وہ لوگ جو یہ بات کہتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ دمشق فتح ہونے کے بعد ۱۵ھ ہجری میں واقعۂ یرموک ہوا۔ (الفتوحات الاسلامیہ جلد ا ص ۷ ۴)

ابن کثیر کہتے ہیں کہ سیف بن عمر کی ظاہر عبارت کی دلالت اس بات پر ہے کہ دمشق ۱۳ھ ہجری میں فتح ہوا لیکن مذکورہ عبارت کی دلالت اکثر ان مورخین کے نظریہ پر ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دمشق نیمۂ رجب ۱۴ھ ہجری میں فتح ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲)

عبد الرحمن بن جبیر سے منقول ہے کہ: ابو عبیدہ خود مدینہ تشریف لے گئے تا کہ دمشق کی فتح کی خبر ابوبکر کو دیں لیکن جس وقت مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوبکر کا انتقال ہو چکا ہے اور عمر نے ان کو شام کی سپہ سالاری پر مامور فرمایا ہے جب ابو عبیدہ دمشق واپس پلٹے تو سپاہیوں نے مرحبا کہا اور کہا کہ مبارک ہو جس کو ہم نے بعنوان سفیر مدینہ بھیجا تھا اس کو ہمارا امیر بنا دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ا ص ۲۴)

بہر حال جو خط ہم نے نقل کیا اور جو دلیلیں ہم نے پیش کیں ان سب کی دلالت اس بات پر ہو رہی ہے کہ خالد بن ولید سپہ سالار لشکر تھے اور انہوں نے اہل شام سے صلح کی اور تمام مورخین اس میں متفق ہیں حتیٰ اگر صلح نامہ ۱۵ھ میں لکھا گیا ہو تو یہ دوسرا خط ہوگا جو اس بات پر دال ہوگا کہ تاریخ خلافت عمر کے زمانہ میں وضع ہوئی ہے۔

لیکن مورخین اور راوی حقیقت سے کیوں منہ پھیرتے ہیں شاید باتوں اور منقولات کی آپس میں مشابہت اور واقعات کا ایک کے بعد ایک مسلسل واقع ہونا ان کو اشتباہ میں ڈالتا ہے......

شاید (اگر ہم حسن ظن رکھیں اور ان کو حسن ظن کے لائق سمجھیں) ان کا یہ اظہار نظر عمداً ہے اس لئے کہ اس طرح وہ بتا سکیں گے کہ عمر کا زمانہ بڑی بڑی فتوحات کا زمانہ تھا...... اس طرح ان لوگوں نے بہت واضح کوشش کی ہے کہ خالد بن ولید کا تعارف ایک شجاع کی حیثیت سے کرائیں چاہے جھوٹ کا سہارا ہی کیوں نہ لینا پڑے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ حقیقت و واقعیت سے ان لوگوں کے دور ہونے کا اصلی سبب کیا ہے شاید زیرک قارئین اس بات کو سمجھتے ہوں۔

۸۔ سیوطی نے اس مجموعہ سے جو ابن قماح کی تحریر میں ہے نقل کیا ہے کہ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ ابو طاہر محمد بن

جمشں زیادی نے تاریخ شروط میں ذکر کیا ہے کہ رسول خدا جب نصاریٰ نجران کو خط لکھ رہے تھے اس موقعہ پر آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ اس خط میں تاریخ ہجری ڈالو اور لکھو کہ 'یہ خط ۵ ھ میں لکھا گیا ہے'۔۔۔۔ مذکورہ شخص اس بات کا اضافہ بھی کرتا ہے کہ سب سے پہلے اس کام کو رسولؐ خدا نے کیا نہ کہ عمر نے، عمر نے اسی عمل کی پیروی کی۔

(الشماریخ فی علم التاریخ سیوطی ص ۱۰)

سیوطی مزید فرماتے ہیں کہ: یہ روایت اتنی صریح ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ لکھنے کی شروعات ۵ ھ میں ہوئی ہے۔۔۔ پہلی روایت (روایت زہری) جس میں یہ ذکر ہے کہ پیغمبرؐ جس دن مدینہ میں وارد ہوئے اس دن سے تاریخ معین ہوئی ۔۔۔ اور اس روایت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔۔۔ زہری کی روایت ظرف زمان ہے اور عبارت (یوم قدم) فعل سے متعلق نہیں ہے بلکہ مصدر (کلمۂ التاریخ) سے متعلق ہے۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ اس دن کو (مدینہ میں وارد ہونے والے دن) مبداء تاریخ قرار دیا جائے نہ یہ کہ اس دن تاریخ گذاری کریں۔ (الشماریخ ص ۱۰)

یہ سیوطی کی گفتگو ہے لیکن ملخص اور یقینی یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے یہ حکم دیا کہ مبداء تاریخ ان کے مدینہ میں وارد ہونے کے دن کو قرار دیا جائے اور اول ربیع الاول کو روز اول شمار کیا جائے۔ اس طرح پیغمبرؐ نے تاریخ گذاری کی اور آپ نے اس تاریخ کو اس خط میں استعمال کیا جو نجران کو لکھا گیا تھا۔

بہر حال سخاوی کہتے ہیں کہ ''پس معلوم ہوا کہ عمر اس قضیہ میں تابع تھے متکبر نہ تھے۔'' (التراتیب الاداریہ جلد ۱ ص ۱۸۱)

سید عباس مکی فرماتے ہیں کہ تاریخ ایک گذشتہ روایت اور پسندیدہ روش تھی جب پیغمبرؐ خدا اہل نجران کو خط لکھوا رہے تھے اس وقت حضرت علیؑ نے آپ سے فرمایا کہ لکھدو ''یہ خط ۵ ھ میں لکھا گیا'' اس کے بعد ابن شہاب کی روایت کو نقل فرماتے ہیں۔

۹۔ جو عبارت صحیفۂ سجادیہ میں ہے اس کا مندرجہ ذیل مفہوم نکلتا ہے کہ رسولؐ خدا نے مدینہ میں پہنچنے والے دن کو اللہ کے حکم سے مبداء تاریخ ہجری قرار دیا اور اسلامی تاریخ کو وضع کیا۔ (صحیفۂ سجادیہ ص ۰۱)

۱۰۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ انس نے کہا کہ اصحاب رسولؐ خدا نے ہمارے لئے بیان کیا کہ ہجرت کے سو سال نہیں گذریں گے مگر تم سب مرجاؤ گے۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۹۷)

۱۱۔ ام سلمہ رسولؐ خدا سے نقل کرتی ہیں کہ ''**یقتل حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام علی راس ستین من مهاجری**'' رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حسین ابن علی ۶۰ ھ میں قتل کئے جائیں گے۔

۱۲۔ آخر میں ......ڈاکٹر سعد ماہر محمد اپنی کتاب ''مشہد الامام علی فی النجف'' (ص ۱۰۴، ۱۰۵) پر اس خط کا ذکر فرماتے ہیں جو خالد بن ولید نے اہل حیرہ کے لئے لکھا ہے۔ خط کے آخر میں لکھا ہے کہ ''**وَاِنْ غَدَرُوْا بِفِعْلٍ اَوْ بِقَوْلٍ فَالذِّمَّةُ مِنْهُمْ بَرِيْئَةٌ وَ كَتَبَ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعُ الْاَوَّلِ مِنْ سَنَةِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ**'' اگر انہوں نے گفتار و کردار کے ذریعہ مکر و حیلہ کیا اور عہد و پیمان کو توڑا تو ہماری قرارداد ان کے بارے میں ختم ہو

جائے گی۔ یہ سند ربیع الاول ۲ھ میں لکھی گئی۔

اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ حیرہ خالد بن ولید کے ہاتھوں ابوبکر کے زمانہ میں فتح ہوا۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ تاریخ جناب عمر سے پہلے وضع ہو چکی تھی۔

۱۳۔ حافظ عبدالرزاق ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ''وَیْلٌ لِلْعَرَبِ مِن شَرٍّ قَدِاقْتَرَبَ عَلیٰ رَاسِ السِّتِّیْنَ، تَصِیْرُ الْاَمَانَۃُ غَنِیْمَۃً اَلَخْ'' وائے ہو عرب پر اس شر و فساد کی بنا پر جو ۶۰ھ میں پیش آئیں گے اور امانت کو مال غنیمت شمار کیا جانے لگے گا۔ الخ

(مصنف حافظ عبدالرزاق جلد ا ص ۳۷۳، ۳۷۵)

۱۴۔ حافظ عبدالرزاق نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ''اِذَا کَانَتْ سَنَۃُ خَمْسٍ وَثَلاثِیْنَ حَدَثَ اَمْرٌ عَظِیْمٌ فَاِنْ تَهْلِکُوْا فَبِالْحَرَایِٔ وَ اِنْ تَنْجُوْا فَعَسیٰ وَاِذَا کَانَتْ سَبْعِیْنَ رَأَیْتُمْ مَاتُنْکِرُوْنَ'' جب ۳۵ھ آئے گی تو ایک بڑا حادثہ پیش آئے گا اگر تم ہلاک ہو گئے تو سزاوار ہے اور اگر تم نجات پا گئے تو امید نجات ہے اور جب ۷۰ھ آئے گی تو اس وقت تم وہ چیز دیکھو گے کہ جس سے تم انکار کرو گے۔

۱۵۔ تطہیر الجنان ص ۷۶ مطبوعہ ۱۳۵۷ھ قمری نے اس حدیث میں جس میں مورد اطمینان راوی موجود ہیں، پیغمبرؐ خدا سے نقل کیا ہے کہ ''نَعَوْذُ بِاللهِ مِنْ رَأسِ السِّتِّیْنَ وَفِیْ سَنَۃِ سِتِّیْنَ وَمِنْ اِمَارَۃِ الصِّبْیَانِ'' خدا کی پناہ ۶۰ھ سے اور دوسری روایت میں ہے کہ ۶۰ھ میں خدا کی پناہ بچوں کی حکومت سے۔

۱۶۔ عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً اِذَا کَانَ رَأسُ السَّبْعِیْنَ وَمِأَۃٌ فَالرِّبَاطُ بِجَدِّہٖ اَفْضَلُ مَایَکُوْنُ مِنَ الرِّبَاطِ۔ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۷۹)

مالک نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ ۱۷۰ھ میں بہترین مرزبانی جدہ کی مرزبانی ہوگی۔ ۱۴، ۱۵، ۱۳، اور ۱۶ نمبر میں ہم نے جو کچھ نقل کیا وہ پیغمبر کا فرمان جو غیب کی باتوں پر مشتمل ہے اور یہ غیب کی خبر پیغمبرؐ نے لوگوں کو دی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ خود پیغمبرؐ ہی تاریخ ہجری کے وضع کرنے والے ہیں۔

بازگشت

گذشتہ بیان سے یہ بات روشن ہوگئی کہ لوگون کے درمیان جو یہ مشہور ہے کہ تاریخ کے وضع کرنے والے جناب عمر تھے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے بلکہ جو کام عمر نے انجام دیا وہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے محرم کو اول سال قرار دیا دراں حالیکہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں ربیع الاول ہی اول سال قمری ہجری تھا۔ یہ عمل یا تو خود ان کی فکر کا نتیجہ تھا یا جناب عثمان کی پیش کش پر انہوں نے یہ کام انجام دیا (جیسا کہ ہم کو معلوم ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں محرم، اول سال تھا)

شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ ہجری جس کو پیغمبرؐ اکرم نے وضع فرمایا تھا، چونکہ لوگوں کو اس کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی اس لئے وہ لوگوں کے درمیان (پیغمبرؐ کے زمانہ میں)

مشہور نہ ہو سکی۔ جب معاشرہ میں تاریخ کی ضرورت کا احساس ہوا تو اس وقت عمر نے صحابہ کو جمع کیا

تا کہ وہ کسی تاریخ کا انتخاب کریں جیسا کہ پورا واقعہ گذر چکا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جو اجتماع عمر نے تشکیل دیا تھا اس میں غرض مندانہ پیش کش ہوئی تا کہ اس طرح پیغمبرؐ نے جو تاریخ وضع فرمائی ہے اس کو فراموش کر دیا جائے لہٰذا ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ رومی تاریخ کی پیش کش ہو رہی ہے تو کوئی تاریخ اسکندر پیش کر رہا ہے۔ عمر ہرمزان کو مشورہ کے لئے بلاتے ہیں (دراں حالیکہ عمر ایرانیوں سے شدید نفرت کرتے تھے) اور وہ اس ایرانی تاریخ کو پیش کرتا ہے جو ان کے بادشاہ کی شہنشاہیت کے آغاز سے شروع ہوتی تھی۔ ایک تیسرا گروہ پیغمبرؐ کی ولادت والے (عام الفیل) اس سن کو پیش کرتا ہے جس کو اعراب جاہلیت تسلیم کرتے تھے۔ تاریخ اعاجم وغیرہ میں اس سے متعلق بہت سی باتیں درج ہیں۔

(التنبیہ والاشراف ص ۲۵۲)

لیکن علیؑ جو محافظ دین اور علمبر دار حق ہیں ...... وہ مناسب وقت پر اعلان کرتے ہیں کہ اسی تاریخ ہجری سے استفادہ کیا جائے جس کو حضورؐ نے وضع کیا ہے اور جس کو حضرتؐ نے اپنی زندگی میں بہ نفس نفیس متعدد بار عہد ناموں اور خطوں میں لکھوایا ہے۔

اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کی پیش کش رد ہو جائے اس لئے کہ یہ حق ہے اور حق ہر چیز سے بالاتر ہے اس سے بالاتر اور کوئی چیز نہیں۔

عیسوی تاریخ کیوں؟

ضروری ہے کہ ایک نظر ہم عیسوی تاریخ پر بھی ڈالیں، ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ یہ دیکھنے کو ملے گا کہ اہل مغرب اور غیر مسلم اپنے قدیم آثار اور گذشتہ آداب و رسوم کی چاہے وہ کتنے ہی ناچیز کیوں نہ ہوں، حفاظت کرتے ہیں اور کسی بھی زمانہ یا کسی بھی جگہ اس سے دست بردار نہیں ہوتے۔ جہاں اسلامی تاریخ لکھی جاتی ہے وہاں اصرار کرتے ہیں کہ ہجری تاریخ کے بدلے عیسوی تاریخ لکھی جائے۔ چاہے یہ بہت سے حقائق کے درہم برہم ہوجانے یا مٹ جانے کا باعث کیوں نہ ہو اور دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم ان مغربی فریب دہندہ نعروں کی وجہ سے بہت سی بنیادی چیزوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ہم تاریخ ہجری قمری سے جو باعث عزت ہے اور جس سے ہماری تاریخ وثقافت استوار ہوتی ہے، تاریخ عیسوی شمسی کی طرف اپنا رخ موڑ لیتے ہیں جو چوتھی صدی ہجری میں بنی ہے جو حکومتیں اپنے آپ کو اسلامی حکومت سمجھتی ہیں اور جو قومیں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں وہ تاریخ عیسوی سے استفادہ کرتی ہیں جو نہ رومی ہے اور نہ ایرانی جس کی پیش کش صدر اسلام میں ہوئی تھی۔

ہاں ان لوگوں نے روشن فکری اور تمدن کے نعروں کے نام پر تاریخ عیسوی کو قبول کیا اور جو ان کی عزت کا سرمایہ تھا اس سے روگردانی کی ہے۔

مخلصانہ دعوت

ہم ملت مسلمہ سے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ وہ اسلامی تاریخ کو اپنی جنتریوں اور تاریخوں میں

استعمال کریں اس لئے کہ یہ ان کے ماضی کو حال سے مربوط کرتی ہے اور ان کی عزت وسربلندی کے راز کو جو ماضی میں ان کا دین تھا، دہراتی ہے۔ ان کو یہ بتلاتی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کی زندگی کو نمونہ بنانا چاہیے اور جب بھی وہ اپنی اقامت گاہ میں اپنے فرائض الٰہی پر عمل نہ کرسکیں تو ہجرت کو سکونت پر ترجیح دیں اور زمین کے دوسرے حصوں پر جا کر اپنے الٰہی فرائض کو انجام دیں۔

تاریخ ہجری مسلمانوں کو تحریک اور امید عطا کرتی ہے ان کو سکون اور بے التفاتی سے کھینچ کر باہر نکالتی اور لامحدودیت کی سمت رواں دواں بناتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی بڑا واقعہ ہی مبداء تاریخ ہونا چاہئے تو پھر ظہور پیغمبرؐ اور ان کے بعد رونما ہونے والے واقعہ سے بڑا اور کون سا واقعہ ہوسکتا ہے۔

❋❋❋

بقیہ امام حسن عسکری علیہ السلام

علماء نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک سوبیس اجزاء پر مشتمل تھی۔

افسوس ہے کہ یہ علمی ذخیرہ اس وقت ہاتھوں میں موجود نہیں ہے مختلف کتابوں میں تفسیر قرآن کے متعلق حضرت کے بعض ارشادات ملتے ہیں ممکن ہے وہ اسی سے ماخوذ ہوں لیکن ایک کتاب جو ''تفسیر امام حسن عسکریؑ'' کے نام سے شایع شدہ موجود ہے مگر وہ مذکورہ بالا ذخیرۂ علمی سے الگ ہے اس کا پتہ صرف چوتھی صدی ہجری سے چلتا ہے اور شیخ صدوق محمد بن علی بابویہ قمیؒ نے اس کو معتبر سمجھا ہے مگر ان کے پیش رو افراد جن سے موصوف نے اس تفسیر کو نقل کیا ہے بالکل مجہول الحال ہیں۔ بہرحال اس تفسیر کے متعلق علمائے رجال مطمئن نہیں ہیں جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس کی نسبت امام حسن عسکریؑ کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں بے شک آپ کا ایک طویل مکتوب اسحٰق بن اسمٰعیل اشعری کے نام اور کافی ذخیرۂ مختصر حکیمانہ مقولات اور مواعظ وتعلیمات کا کتاب تحف العقول میں محفوظ ہے جو اس وقت بھی اہل نظر کے لیے سرمۂ چشم بصیرت ہے۔

یہ علمی کارنامے اس حالت میں ہیں جب کہ مجموعی عمر آپ کی ۲۸/ برس سے زیادہ نہ ہوسکی اور اپنے والد بزرگوار کے بعد صرف چھ برس امامت کے منصب پر فائز رہے اور وہ بھی ان مشکلات کے شکنجہ میں جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

وفات:۔ اتنے علمی ودینی مشاغل میں مصروف انسان کو کہیں سلطنت وقت کے ساتھ مزاحمت کا کوئی خیال پیدا ہوسکتا ہے مگر ان کا بڑھتا ہوا روحانی اقتدار اور علمی مرجعیت ہی تو ہمیشہ ان حضرات کو سلاطین کے لیے ناقابل برداشت ثابت کرتی رہی وہی اب بھی ہوا اور معتمد عباسی کے بھجوائے ہوئے زہر سے ۸/ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں آپ نے وفات پائی اور اپنے والد بزرگوار کی قبر کے پاس سامرے میں دفن ہوئے جہاں حضرت کا روضہ باوجود ناموافق ماحول کے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

❋❋❋